خدا تعالیٰ کا زمانہ ہونے کا تصور

قرآن کے مطابق خدا تعالیٰ کی ذات پر غور کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 10 / مارچ 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۳﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۵﴾ (الانعام: 102 تا 105)

پھر فرمایا:۔

عید پر میں نے اپنی ایک رؤیا کے حوالے سے اسماءِ باری تعالیٰ کا مضمون شروع کیا تھا جو وقت کی رعایت کے مطابق بنیادی طور پر میں نے اس کا آغاز تو کر دیا تھا مگر بہت سی باتیں ایسی تھیں جو ابھی تشنہ رہ گئی تھیں۔ مگر اس سے پہلے میں ان آیات کی تلاوت کی حکمت بتانا چاہتا ہوں جو میں نے

ابھی پڑھی ہیں۔اس مضمون سے ان آیات کا گہرا تعلق ہے لیکن خصوصیت سے اس غرض سے میں نے ان آیات کی تلاوت کی ہے کہ جب بھی ایک موضوع چھیڑا جاتا ہے خطبات وغیرہ میں تو احمدیوں میں جو ذکی ہیں اور زیادہ فراست رکھنے والے یا علمی ذوق شوق رکھتے ہیں وہ بڑی تیزی کرتے ہیں ان باتوں پر مزید غور کرنے کی اور جلدی میں بسا اوقات حدوں سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔یہ وہ مضمون ہے جس میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ قطعی طور پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ تمہاری بصیرت ،تمہاری سوچیں،تمہارے فکر خواہ کتنے ہی روشن کیوں نہ ہوں ناممکن ہے کہ تم خدا کا ادراک کرسکو،ہاں اسی حد تک جس حد تک خود خدا تمہاری بصیرت تک پہنچے وہ خود تم پر معاملات کو روشن فرمانا چاہے۔پس اسی حد تک تم اس کو پہچان سکو گے جس حد تک وہ خود تم پر جلوہ گر ہو۔

اور اس تعلق میں اگلی آیت یہ ہے کہ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ پس وہ بصائر جو خدا کا تم سے تعارف کروا سکتی ہیں وہ ظاہر کر دی گئی ہیں یعنی تمہاری ہمتوں اور عقل کی حدود کی حد تک،پس جو بھی ان سے نصیحت حاصل کرے،ان پر غور کرے،ان سے استفادہ کرے تو اس کے اپنے نفس کے فائدے ہی کے لئے ہے اور جو کوئی ان سے آنکھیں بند کرے گا تو اس کا ضرور اس کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔وہ بصائر قرآن کریم میں ہیں،وہ بصائر اس قرآن کے فہم میں ہیں جو آنحضور ﷺ کو عطا فرمایا گیا۔پس خدا کے تعلق میں اس سے آگے زبان کھولنے کی کسی کو اجازت نہیں۔اگر وہ کھولے گا تو اپنی ہلاکت کا موجب بنے گا۔اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس بارے میں بہت انذار فرمایا ہے کہ تم ایسی بات نہ کیا کرو خدا تعالیٰ کی ذات کو سمجھنے کے متعلق جس کے نتیجے میں تم ہلاک بھی ہو سکتے ہو۔پس اپنی فکروں کو دوسرے دائروں میں رکھیں مگر اس دائرے کو اس حد تک محدود رکھیں کہ قطعی طور پر قرآن سے جو استنباط کر سکتے ہیں جس کا قرآن بھی مؤید ثابت ہو،اور جس کی حدیث بھی مؤید ثابت ہو اتنی ہی باتیں کریں،اس سے بڑھ کر اپنے خیالات کو اجازت نہ دیں کہ وہ اس مضمون میں قدم رکھیں۔اس نصیحت کے ساتھ،اسی آیت کی روشنی میں میں اس مضمون کو کچھ آگے بڑھانا چاہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ایک رؤیا کے ذریعے مجھ پر ظاہر فرمایا اور پھر آگے پھول کی طرح وہ کھلتا چلا گیا اور خود بخود آگے بڑھتا رہا گویا رؤیا ہی کے عالم میں ہوں۔کچھ حصے

میں نے بیان کئے تھے کچھ ابھی باقی تھے۔

ایک میں نے ذکر کیا تھا کہ ہمیں قرآن کریم سے پتا چلتا ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿۳۰﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (الرحمان: 30 تا 31)۔ ہر دن ہر وقت وہ ایک نئی شان میں ہے یا ایک شان کے ساتھ ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ پس اے بڑے لوگو اور چھوٹے لوگو! تم خدا کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے۔ اس ضمن میں ایک حوالہ میں نے انسانی زاویۂ نگاہ سے دیا تھا اور اس کے بعد پھر میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک تائیدی حوالہ اس مسلک کی تائید میں پیش کیا جو میں سمجھا تھا اور پھر میں نے وعدہ کیا تھا کہ باقی مضمون حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات کی صورت میں آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ لیکن اس میں کچھ اور باتیں بھی کہنے والی تھیں جو رہ گئی تھیں جن کے ذکر کے بغیر وہ مضمون مکمل نہیں ہوسکتا۔

سب سے اہم بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ زمانہ کیا چیز ہے، کن معنوں میں خدا میں نہیں پایا جاتا۔ جو صرفی اور نحوی تعریف ہے وہ انسانوں کے معاملے میں بھی ناقص ہے اور خدا پر اطلاق کی صورت میں بھی ناقص ہے۔ پس اس کا ایک حصہ جو اطلاق پاتا ہے اس حد تک ہم اطلاق کر سکتے ہیں، اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے اور زمانہ ہے کیا؟ اس کی تعریف وہاں موجود نہیں اس لئے اس کی ایک تعریف ہمیں خود سمجھنی پڑے گی۔ جو تعریف رؤیا کے دوران ہی اور کچھ اس کے بعد مجھ پر روشن فرمائی گئی وہ یہ تھی کہ وہ چیز جس کا آغاز نہ ہو اور انجام نہ ہو اور جس کی ذات میں تبدیلی لازم نہ ہو وہ زمانے سے پاک ہے اور یہ صرفی تعریف نہیں ہے نہ نحوی تعریف ہے وہ اور معنوں میں تعریف ہے۔ مگر اس تعریف نے ایک طرف اشارہ کر دیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس اشارے کو مزید آگے بڑھا کر معاملہ روشن فرما دیا۔ اس لئے بعض ایسی چیزیں ہیں جن میں زمانے کا ایک تأثر ملتا ہے لیکن یہ باتیں اس میں نہیں ہیں۔ پس ہر وہ زمانے کا تصور جس میں خدا تعالیٰ کی ذات کی تبدیلی لازم آئے اور ہر وہ زمانے کا تصور جس میں خدا تعالیٰ کا آغاز اور انجام کا تصور نہ آئے، وہ زمانہ خدا کی طرف منسوب کرنا جائز ہے کیونکہ قرآن کریم نے اسے منسوب فرمایا ہے۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ اس کا ذکر فرماتا ہے کہ جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کو پیدا کرنے کا تو ''کن'' کہتا ہے اور يَكُوْنُ شروع ہو جاتا ہے۔ تو جب کرتا ہے وہ کسی وقت سے تعلق رکھنے والی چیز ہے جب ''کن'' کہتا ہے تو اس سے پہلے وہ

چیز وجود میں نہیں ہوتی اور یہ آیات جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں ان کا آغاز بھی اسی مضمون کو بیان فرما رہا ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وہ ہے جس سے زمین و آسمان کی پیدائش کا آغاز ہوا ہے۔ بدع، ایسے آغاز کو کہتے ہیں جس کو عرف عام میں ہم خلق کا نام دے لیتے ہیں مگر حقیقت میں قرآنی اصطلاح میں بدع اور خلق میں ایک فرق ہے۔ بدع ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کا کوئی وجود نہ ہو اور خلق اس چیز کو کہتے ہیں کہ ادنیٰ حالت میں حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا ہونی شروع ہو جائیں یا کر دی جائیں اور نئی نئی صورتوں میں وہ چیز ظاہر ہونا شروع ہو جائے۔ مثلاً کیمیکلز ہیں۔ کیمیکلز کے آپس میں ملانے سے اور ان کے آپس میں ادلنے بدلنے سے، ان کے فارمولے بدلنے سے نئی نئی چیزیں وجود میں آتی ہیں اور ایک پوری شاخ ہے سنتھیٹک کیمسٹری کی جو صرف اسی مضمون سے تعلق رکھتی ہے کہ ایسی کیمیا بنائی جائیں جن کا پہلے کوئی وجود نہیں تھا مگر کیمیا سے وہ کیمیا بنتی ہے عدم سے نہیں بنتی۔ اس لئے اس کے اوپر بدع کا لفظ نہیں آتا اس کے اوپر خلق کا لفظ آتا ہے اور ضمنی طور پر اور محدود دائرے میں اللہ تعالیٰ بھی انسان کی خلق کا ذکر فرماتا ہے کہ تم جو خلق کرتے ہو اس کے اور بھی معنی ہیں، ایک یہ بھی معنی ہے، خدا کی خلق تم سے بہت زیادہ عظمت رکھتی ہے، بہت بڑی ہے، تمہاری خلق کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

بہر حال یہ تو واضح مضمون ہے اس میں غالباً کسی پہلو سے بھی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف محض خلق منسوب نہیں ہوتی، بدع بھی منسوب ہوتی ہے۔ یعنی جب کچھ بھی نہیں تھا ایسی چیزیں اس نے بنائیں جن کا اس سے پہلے وجود نہیں تھا اور زمانے کی تعریف اس پہلو سے ہر مضمون پر صادق آتی ہے لیکن مخلوق کی بدع پر بھی ثابت آتی ہے اور تخلیق پر بھی ثابت آتی ہے نسبتاً اور معنوں میں۔ بدع اس لحاظ سے کہ ایک چیز ایسی پیدا ہوئی جس کا کوئی آغاز، اس آغاز سے پہلے، کوئی وجود نہیں تھا اور خلق اس لحاظ سے کہ تبدیلیاں ایسی حیرت انگیز ہوئی ہیں کہ نئی سے نئی چیز اس سے پیدا ہونی شروع ہوگئی اور مسلسل Synthesis ہو رہا ہے اور یہ دونوں باتیں خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ کائنات میں مسلسل دکھائی دے رہی ہیں آغاز سے لے کر آج تک یہی جاری ہے۔ تو یہ وہ تعریف ہے جو بہت اہمیت رکھتی ہے کہ نہ اس کا آغاز ہو۔ وہ ذات جس کا آغاز نہ ہو انجام نہ ہو۔ جس کے اندر

ذات میں تبدیلی نہ پائی جائے، وہ زمانے سے آزاد ہے لیکن وہ وجود جب تخلیق کرتا ہے تو مخلوق کے حوالے سے ایک زمانے کا تصور پیدا ہو جاتا ہے لیکن اس کی ذات میں تبدیلی نہیں آتی۔

یہ وہ مضمون ہے جو قدیم سے فلسفیوں کے زیر نظر بھی رہا ہے اور فلسفیوں کی دنیا میں میرے نزدیک سب سے عظیم فلسفی جو آج تک مذہبی دنیا سے باہر پیدا ہوا ہے وہ ارسطو ہے جو افلاطون کا شاگرد تھا اور یہ سکندر اعظم کا استاد بھی رہا ہے۔ افلاطون کی اکیڈیمی میں کچھ دیر پڑھتا رہا۔ جب یہ پچیس سال کا تھا تو افلاطون فوت ہو گیا اور اس کے بعد اس نے اکیڈیمی سے اپنا تعلق توڑ لیا کیونکہ اس کی سوچیں بہت ہی زیادہ منجھی ہوئی اور اس زمانے سے بہت آگے تھیں جس زمانے میں یہ پیدا ہوا ہے۔ مگر میں ضمناً اس کا اس لئے ذکر کر رہا ہوں۔ یہ وجہ نہیں کہ تمام فلسفہ جو خدا کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اس فلسفے کے اوپر آپ سے گفتگو کروں کیونکہ اتنا بڑا مضمون ہے کہ ضرورت ہے کہ اس کے اوپر اس مضمون کی حیثیت سے الگ غور وفکر کر کے اس کے ماحصل سے جماعت کو مطلع کیا جائے۔ لیکن یہ تقریروں میں بیان ہونے والا مضمون بھی نہیں ہے۔ نہ خطبات میں بیان کیا جا سکتا ہے کیونکہ بھاری اکثریت جماعت کی جو خطبات اور تقریروں کو سنتی ہے وہ اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اور علم کے اعتبار سے اس قسم کے مضامین کو ساتھ ساتھ ہضم کرنے کی استطاعت نہیں رکھتی۔ اس لئے اس کا تعلق تحریر سے ہے اور ضروری نہیں ہوا کرتا کہ ہر چیز بیان سے ہی تعلق رکھے۔

قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بیان بھی سکھایا اور کلام بھی سکھایا اور عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (العلق:5) اور قلم سے بھی سکھایا ہے تو جو باتیں قلم سے سکھانے والی ہیں۔ اللہ نے توفیق عطا فرمائی اور، دعا کرتا ہوں کہ مجھے سعادت ملے اور وقت ملا اور سعادت ملی تو آئندہ اسی مضمون کو خالصۃً خدا کے تعلق میں جماعت کے سامنے پیش کروں گا انشاء اللہ۔ یہاں صرف ضمنی طور پر بتانا ضروری تھا کہ ارسطو آغاز میں معلوم ہوتا تھا کہ افلاطون کے مقابل پر کم روحانیت رکھتا ہے اور خدا کے تصور میں اس سے پیچھے ہے، بعض دفعہ خدا کے تصور کے برعکس اس کے فلسفے میں حوالے ملتے ہیں۔ لیکن جتنا وہ بڑا ہوا ہے اور جوں جوں اس نے زیادہ غور کیا فلسفے کے نقطہ نگاہ سے سب سے قریب خدا کے وہ پہنچا ہے اور خالصۃً فلسفے کے ذریعے، اہل تجربہ نہیں تھا۔ اس لئے اسے اس حد تک تو علم ہو گیا کہ ہو سکتا ہے بلکہ ضروری ہے کہ ہو لیکن اس سے تعلق کا جہاں تک معاملہ ہے اس کا کوئی اشارہ بھی ارسطو کی

کتابوں میں نہیں ملتا کہ اس نے ایک زندہ ایسے خدا سے تعلق قائم کیا ہو جو انسان سے تعلق کے بعد اس پر اپنی رحمتوں کے یا اپنی شان کے جلوے دکھاتا ہو۔ اسی وجہ سے بعض فلسفیوں نے ارسطو کے متعلق یعنی ماڈرن آج کل کے جدید فلسفیوں اور سائنس دانوں نے بھی ارسطو کو اسی بریکٹ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے جس میں جدید زمانے میں Spynoza کا نام لیا جاتا ہے جو ہالینڈ کا ایک یہودی فلسفی تھا۔ اس نے بھی خدا کو ایک تصور کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس حد تک معلوم ہوتا ہے وہ تسلیم کرتا ہے کہ ایسا وجود ہونا چاہئے لیکن ہے کہ نہیں اس سے تعلق قائم ہوسکتا ہے کہ نہیں۔ نہ صرف یہ کہ یہ ذکر نہیں ملتا بلکہ وہ اس کی نفی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ وہ وجود ہے جو تفصیلی دلچسپی نہیں لیتا اور نہ لے سکتا ہے ان کے نزدیک۔ پس ایک طرف خدا کو مانا دوسری طرف کالعدم کر دیا۔

یہی آئن سٹائن کا حال ہے مگر آئن سٹائن کی سوچ میں دیانت کی کمی ہے اور سپائنوزا کی سوچ میں دیانت کی کمی نہیں ہے۔ جب میں آئندہ اس مضمون پر روشنی ڈالوں گا تو خصوصیت سے آئن سٹائن کا بھی ذکر کروں گا جس نے 1930ء میں نیویارک ٹربیون (New York Tribune) میں مذہب کے متعلق جو مضمون شائع کیا ہے اس میں خدا کی ہستی کے اور مذہب کے خلاف جو دلائل پیش کئے ہیں اور پھر اپنا نظریہ جو پیش کیا ہے وہ اتنا بودا ہے کہ صاف نظر آرہا ہے کہ اس زمانے کے دوسرے یورپین فلسفی خصوصاً انگریز فلسفیوں سے متاثر ہو کر اس نے کچھ باتیں بیان کی ہیں لیکن آدھی بات کرتا ہے اور پھر رخ بدل لیتا ہے۔ جس سے میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس معاملے میں دیانت دار نہیں تھا کیونکہ اگر دیانتداری سے ان باتوں کو آگے بڑھاتا تو اس نتیجے تک پہنچنا ضروری ہو جاتا جو ارسطو کی عقل نے نکالا۔ پس تھوڑا سا چلتا ہے اور پھر رخ بدل لیتا ہے مثلاً اسباب کا ذکر کرتا ہے اور ہر سبب کا ایک مسبب ہونا چاہئے۔ اسباب جو ہیں دنیا میں، جو چیزیں وجود میں آرہی ہیں نتیجے ہیں، ان کا ایک نتیجہ پیدا کرنے والا ہونا چاہئے۔ اس مضمون کو شروع کر کے تو پھر آغاز آفرینش کو نظر انداز کر دیتا ہے اور صرف یہ اعتراض کرتا ہے کہ اس لئے ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ ایسا خدا ہو جو اس دنیا میں جو ہمیں سبب اور نتیجے کی دنیا نظر آرہی ہے اس میں کبھی کبھی نامعقول دخل دیتا رہے۔ ''میں ہوں'' کی خاطر، معجزے دکھانے کے شوق میں اس میں دخل اندازی کرے یہ عقل کے خلاف بات ہے اس لئے کوئی خدا ایسا نہیں ہے۔ اب یہ سوچ صاف بتا رہی ہے کہ وہ جو منطقی نتیجہ نکلنا چاہئے تھا سبب اور نتیجے کا، اس کا آغاز

سے ذکر چاہئے تھا اور آئن سٹائن اس بات کو خوب سمجھتا تھا، وہ خود جانتا ہے کہ جو بھی تبدیل ہونے والی مادی کائنات ہے یہ ہمیشہ سے نہیں ہوسکتی۔ تو اس طرف پہنچنے کی بجائے جہاں خدا دکھائی دے سکتا تھا وہ ایک اور طرز فکر میں داخل ہو جاتا ہے اور عمداً اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ دیانت کے خلاف ہے کہ وہ اتنا ذہین آدمی تھا، کہ میرے نزدیک یہ قابل قبول ہی نہیں ہے کہ اس کی توجہ اس طرف نہ گئی ہو۔ پس توجہ بٹنی چاہئے تھی، گئی ہوگی، لیکن نظر انداز کرتا ہے۔ دوسرے جو اس کے استدلالات ہیں ان سب میں یہی بات پائی جاتی ہے۔ مگر ارسطو بہت دیانتدار تھا۔ اس کی سوچ انتہائی منطقی اور کامل دیانتداری پر مبنی تھی۔ ایک وقت وہ تھا جبکہ عملاً وہ خدا کے تصور سے دور تھا کیونکہ وہ یہ سوچتا تھا کہ روح مادے ہی کی ایک صفت ہے اور یہ فلسفہ افلاطون سے اس نے لیا اور پھر آگے اس کو بڑھایا۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ جو صفات ہیں وہ منحصر ہیں مادے پر اور روح بھی مادے ہی کی ایک صفت ہے۔ پس جب مادہ ختم ہوا تو روح بھی ختم ہوگئی۔ یہ آغاز میں اس کی سوچ تھی لیکن اس کے ساتھ ہی پھر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ مادہ آیا کیسے اور مادہ اگر تبدیل ہو رہا ہے اور یہ دونوں جانتے تھے کہ مادہ تبدیل ہو رہا ہے تو پھر آغاز کیسے ہوا۔ تو ایک ایسے خدا کے تصور تک پہنچے جس کو انہوں نے مادہ کہا اور مادہ اول اور وہ مادہ اول غیر مبدل تھا اور اس کے نتیجے میں پھر وہ سب مادے پیدا ہوئے جو اول محرک کے نتیجے میں حرکت میں آ گئے لیکن اول محرک ساکن تھا۔ یہ ایک فلسفیانہ ایک شعبدہ تھا مگر اس میں منطق ضرور پائی جاتی ہے۔ لیکن آخری بات کا حل کوئی نہیں۔ ارسطو نے جب مزید غور کیا اس بات پر تو اس کی میرے نزدیک جو سب سے اہم آخری کتاب ہے لیکن اور بھی بڑی اہم کتابیں ہیں میٹافزکس Mata phisics اس میں وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ خدا مادہ نہیں ہے کیونکہ مادہ بغیر تبدیلی کے ہمیں کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ وہ ایک ہی چیز ہے جس کو ہم صرف Mind کہہ سکتے ہیں اور Mind کی حرکت جو ہے وہ تبدیلی کو نہیں چاہتی اس لئے وہ Eternal ہوسکتا ہے۔ یہ جو ارسطو کی سوچ تھی اس زمانے کی تعریف کے مطابق ہے جو میں نے آپ کے سامنے پیش کی تھی۔

پس ہر وہ زمانے کا تصور جو خدا تعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب ہوسکتا ہو، جس میں تبدیلی لازم نہ آئے اور آغاز یا انجام کا کوئی تصور موجود نہ ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں بلکہ خدا تعالیٰ خود اپنی ذات کے تعارف کے دوران بہت سی ایسی باتیں بیان فرماتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

اس کے اندر تبدیلی کے بغیر بھی ،یعنی ذات میں تبدیلی نہیں مگر صفات کے جلوے اپنی شان بدلتے ہیں اور صفات کے جلووں کی شان، جبکہ ذات میں تبدیلی نہ ہو، یہ ان معنوں میں زمانہ نہیں ہے جس کا کوئی آغاز ہونا چاہئے یا جس کا کوئی انجام ہونا چاہئے۔

پس كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ میں ایک یہ بھی مضمون ہے کہ اس کی صفات جلوے دکھا رہی ہیں اور ایک ہی جلوے پر Stationary نہیں ہیں۔ایک جلوے پر جامد نہیں ہیں کیونکہ ایک جلوے پر اگر وہ جامد ہوں تو پھر ایک ایسی باشعور ہستی جو موقع اور محل کے مطابق فیصلے کرتی ہو اور کر سکتی ہو اور اپنی مخلوق سے تعلق قائم کر سکتی ہو۔اس کا وجود مٹ جاتا ہے۔اسی لئے آغاز میں جب ارسطو کا یہی رجحان تھا تو اس نے قطعی طور پر ایسے خدا کا انکار کیا جو انسانی معاملات میں دلچسپی لیتا ہو۔

افلاطون نے اس کے برعکس ایک ایسے خدا کا وجود پیش کیا جس کا انسانی معاملات سے تعلق ہے لیکن اس کی سوچوں پر چونکہ اس زمانے کے فرضی خداؤں کا بھی اثر تھا، دیوتاؤں وغیرہ کا اس لئے وہ سوچ کچھ مل جل سی گئی ہے۔کچھ ان روایتوں کے تعلق میں جو اس زمانے میں چلی آتی تھیں کہ بہت سے دیوتا ہیں، کچھ اس کی اپنی طبعی فطرت کی روشنی کے نتیجے میں، کہیں واحد خدا کا ذکر اس کی سوچوں میں ملتا ہے، کہیں دوسرے خداؤں کا ذکر بھی مل جاتا ہے۔مگر یہ مضمون ایسا ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا میں اسے الگ پیش کروں گا۔

اس وقت میں آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ شانوں کی تبدیلی زمانے کو نہیں چاہتی۔شانوں کی تبدیلی اس زمانے کو نہیں چاہتی جس سے ذات تبدیل ہو اور بیک وقت مختلف جو اظہار ہیں وہ درحقیقت مخلوق کی محدود نظر اور مخلوق کے تقاضوں کی خاطر لازمی ہیں۔ایک انسان میں اپنی ذات پر اگر آپ سوچیں تو کچھ نہ کچھ اس کی سمجھ آسکتی ہے باوجود اس کے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (شوریٰ:12) کہ خدا جیسی کوئی چیز نہیں۔جن سائنس دانوں نے خدا کو سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے اکثر و بیشتر یہی وجہ ہوئی ہے کہ انہوں نے اپنی ذات کو پروجیکٹ کر کے پوری طرح خدا پر اس کی حدود عائد کرنے کی کوشش کی یہ ناممکن تھا کیونکہ تخلیق سے خالق کی پوری پہچان ممکن نہیں ہے۔تخلیق سے یہ تو ممکن ہے کہ اس کی بعض صفات کو پہچان لیا جائے اس کی چھاپ دیکھ کر اندازہ ہو لیکن اس کا حدود اربعہ معلوم ہو جائے تخلیق سے یہ ناممکن ہے۔

ہوائی جہاز کتنے Complicated پیدا ہو چکے ہیں مگر اگر بعد میں کسی زمانے میں جبکہ انسان کی سوچ اور بھی ترقی کر گئی ہو، ہوائی جہاز ایسا دریافت ہو جو زمین میں دبا ہوا ملے اور میں یہ کہہ رہا ہوں سوچ ترقی کر گئی، میرے ذہن میں جو Scenario ہے کہ دنیا مثلاً ایک دفعہ مٹ جاتی ہے۔ پھر تخلیق ہوتی ہے۔ کوئی سوچنے والا باشعور جاندار ایسا ہے جو بہت ترقی کر جاتا ہے مگر اس کے Dimenstion اور ہیں اس لئے اس کی ترقی کے رستے الگ الگ ہیں، ممکن ہے، قرآن سے ثابت ہے، اس لئے میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ممکن ہے بلکہ ضرور ہوگا۔ تو اس وقت اگر جہاز دریافت ہو جائے اور ان لوگوں کو اتنی دور کا واقعہ ہو کہ براہ راست انسان کے متعلق کچھ پتا نہ ہو کھدائیوں سے چیزوں سے وہ معلوم کرنے کی کوشش کریں تو ہوائی جہاز کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ انسان کی دو ٹانگیں تھیں، دو ہاتھ تھے، دماغ اس طرح تھا، آنکھیں یہاں لگی ہوئی تھیں اس کا ظاہری حلیہ بھی نہیں پہچان سکتا۔ اس کی اندرونی سوچوں تک اس کی رسائی ناممکن ہے۔ صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ کوئی بہت باشعور ہستی تھی اور کوئی بہت ہی با اقتدار ہستی تھی۔ اس کی عقل بھی تیز تھی اور اس کی چیزوں تک رسائی بھی بہت تھی وہ جو سوچتا تھا اسے کر دکھاتا تھا۔

تو اس پہلو سے خدا تعالیٰ کی جو شان ہے جلوہ گری ہے وہ مخلوق میں بھی ہے، تخلیق میں بھی ہے، لیکن اس کے ذریعے آپ اس تک پہنچ نہیں سکتے۔ صرف یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ کوئی باشعور با اقتدار ہستی ہے جو بہت ہی گہرے تدبر کی مالک ہے اور اس کی باتیں کوئی بھی باطل نہیں ہیں کیونکہ جو کائنات اس نے پیدا کی ہے وہ باطل سے عاری ہے۔ تو باشعور، بالارادہ، بہت ہی گہرے فکر والی ہستی جو پیدا کر رہی ہے اس کی اپنی ذات کیا تھی؟ کب تھی؟ ہمیں کچھ پتا نہیں۔ سوائے اس کے کہ جو وہ خود ہمیں بتائے۔

اس پہلو سے جب ہم آیت الکرسی کے ایک حصے پر غور کرتے ہیں تو ایک نیا مضمون ہمارے سامنے ابھرتا ہے وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ عِلْمِهِ کا عام طور پر جو مفہوم سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جن چیزوں کا خدا کا علم ہے اور خدا کو ہر چیز کا علم ہے یعنی اس کی مخلوقات اس پر کوئی احاطہ نہیں کر سکتا، اس کے کسی حصے کا بھی۔ إِلَّا بِمَا شَاءَ سوائے اس کے کہ اللہ چاہے اور اتنا ہوگا جتنا خدا چاہے گا۔ تو اس پہلو سے خدا تعالیٰ کے اپنی ذات کے متعلق جو تعارفات ہیں وہی ہیں جو

ہماری راہنمائی کریں گے اسماء الذات کی طرف۔ اور قرآن کریم میں وہ کامل طور پر اس درجۂ کمال تک موجود ہیں جس درجۂ کمال تک انسان ان کو سمجھنے کی صلاحیتیں لے کے پیدا ہوا ہے، اس سے آگے نہیں۔

اور آنحضرت ﷺ اس پہلو سے وہ آدم ہیں جن کو اسماء کلھا تمام کے تمام سکھائے گئے یعنی انسانی سوچ کی حد تک اسماء جتنے بھی انسان سمجھ سکتا تھا اور انسان جس کائنات میں پیدا ہوا ہے اس کی ضرورتوں کے تعلق میں انسان جس حد تک بھی صفات باری تعالیٰ کا علم حاصل کر سکتا تھا وہ تمام صفات حضرت محمد مصطفی ﷺ پر نازل فرمائے گئے۔ اب یہ جو نزول ہے یہ بھی ایک شان ہے اور اس سے پہلے نازل نہیں فرمائے گئے تو یہ زمانہ پایا گیا لیکن اس بات کے مخالف نہیں ہے جو میں بیان کر چکا ہوں کیونکہ یہ زمانہ تبدیلی ذات کو نہیں چاہتا بلکہ ایک دائمی صفت کی ضرورت کے مطابق وقتاً فوقتاً جلوہ گری کو چاہتا ہے۔

پھول میں بھی بعض اوقات مختلف صفات جلوہ گر ہوتی ہیں مگر اس میں زمانہ اس لئے پایا جاتا ہے کہ ہر صفت جو اس کی ظاہر ہوتی ہے اس کے پیچھے اس کی ذات میں کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ جب تک وہ تبدیلی واقع نہ ہو پھول کی کوئی صفت ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اگر رنگ بدلا ہے تو اندر ذات بدلی ہے تب رنگ بدلا ہے۔ اگر خوشبو بدلی ہے تو ذات بدلی ہے تو رنگ بدلا ہے۔ اگر پھل کھٹا ہوا ہے یا میٹھا ہوا ہے تو ذات کی تبدیلی سے ایسا ہوا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی ذات میں یہ تبدیلی ممکن نہیں۔

اب وہ بحث جس کا میں نے ذکر کیا تھا Prime Mover والی بحث اس میں ارسطو تو یہ بات کہہ کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ ہے تو اول ہی مگر چونکہ عقل ہے اس لئے اس میں ذات کی تبدیلی کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ مادہ نہیں ہے۔ یہ حق کی اور حکمت کی قریب ترین بات ہے جس تک وہ تمام کائنات، دنیا میں اب تک جتنے فلسفی پیدا ہوئے ہیں ارسطو پہنچا ہے۔ آج کل کے ماڈرن فلسفی بھی اس بات سے کوسوں پیچھے ہیں ابھی تک۔ اس لئے اس کی عظمت کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو زمانے سے پاک ہے زمانہ پیدا کرنے کے تعلق میں تخلیق کا ذکر فرمایا اس کو ارادے سے باندھا ہے اور ارادہ کسی ذات کی تبدیلی کو نہیں چاہتا۔ آپ اپنے ارادوں پر غور کر کے دیکھ لیں آپ مختلف وقتوں میں ایک ارادہ کر سکتے ہیں، ایک فیصلہ کر سکتے ہیں، کبھی کر لیتے ہیں کبھی نہیں کرتے۔ ارادے میں آپ زمانے کے پابند نہیں ہیں۔ ایک امکان آپ کے سامنے روشن

ہوتا ہے کہ میں یہ کروں یا یہ نہ کروں اور آپ مختار ہو جاتے ہیں بعض صورتوں میں کہ اچھا یہ کرتا ہوں یہ نہیں کرتا۔ اس ارادے کے اندر کوئی توانائی ضائع نہیں ہوتی لیکن ارادے پر جب عمل ہوتا ہے تو پھر توانائی کا دور شروع ہوتا ہے۔ انسان کی مثال خدا پر پوری طرح صادق اس لئے نہیں آسکتی کہ انسان خود اپنے کارخانے پر اپنے ارادے کا اثر ظاہر کرتا ہے۔ پس انسان کے ہر ارادے سے اس کی ذات کی تبدیلی لازم ہے۔

جب بھی کوئی ایک انسان ارادہ کرتا ہے یا اس کی ذات میں کوئی تبدیلی ضرور ہوگی پس اب میں نے ارادہ کیا کہ میں مکھی کو ماروں تو میرا ہاتھ اٹھے گا اور نشانے پر گرے گا اگر نشانہ اچھا ہوا اور مکھی زیادہ تیز نہ ہو تو اس کو مارنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ مگر ایک حرکت لازم ہے۔ اور جب تک حرکت نہ ہو ارادہ عمل میں نہیں آتا۔ وہ محض ایک سوچ، ایک امکان ہے، وجود کا ایک امکان۔ اور اس پہلو سے آپ کا ارادہ دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ اب دیکھیں ارادے کی طاقت کتنی ہے اگر اسے فساد پر استعمال کیا جائے تو جنگ عظیم ایک ہٹلر کا ارادہ تھا۔ کتنی بڑی قیامتیں ٹوٹی ہیں اس کے نتیجہ میں۔ کروڑہا کروڑ ٹن بم گرائے گئے ہیں دنیا کو خاکستر بنانے کے لئے۔ کتنی حرکت ہوئی ہے، کتنے کارخانے وجود میں آئے۔ لکھوکھہا انسان بلکہ کروڑوں انسانوں نے جانیں دیں۔ کچھ آگ میں جلائے گئے، کسی نے ویسے مصیبتوں میں دم توڑے۔ تو ارادے کو کیسی طاقت ہے لیکن ارادہ خود وہ توانائی نہیں بخش رہا تھا ان چیزوں کو بلکہ توانائی کا مضمون ارادے سے باہر تھا۔

لیکن انسان میں اور خدا میں ایک فرق بھی ہے۔ یعنی فرق تو بہت ہیں اس ارادے کے تعلق میں ایک اور فرق بھی جس کو فلسفی جب نہیں سمجھ سکے تو انہوں نے ٹھوکریں کھائیں۔ وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ توانائی کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ توانائی پیدا کرتا ہے۔ ہر توانائی خدا کے ارادے سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا یہ تعارف فرمایا ہے کہ جب بھی میں چاہتا ہوں کچھ کروں تو میں ''کن'' کہتا ہوں ''فیکون'' اور ''کن'' ارادہ ہے جو ایک فیصلہ کو ظاہر کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو فیصلے کو ظاہر کرنے کا فیصلہ بظاہر دو زائد لفظ ہیں مگر خدا تعالیٰ کے تعلق میں ضروری ہے بیان کرنا۔ اس کا فیصلہ موجود ہے کیونکہ عالم الغیب ہے۔ وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس فیصلے پر عمل درآمد اب میں نے کروانا ہے۔ اس پہلو سے زمانہ پایا جاتا ہے مگر یہ زمانہ اس کی ذات کو تبدیل نہیں کرتا نہ کسی

ذات کی تبدیلی کو چاہتا ہے بلکہ پوری کائنات کو بعض دفعہ تبدیل کر دیتا ہے۔ جہاں جہاں اثر انداز ہو وہاں وہاں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ لیکن توانائی کا جہاں تک تعلق ہے یہ ارادہ اتنی توانائی بھی نہیں چاہتا جتنی انسانی ارادہ چاہتا ہے۔

پس ارادے کا تعلق روح سے ہے اور روح اس قسم کی توانائیاں نہیں چاہتی جیسی ہم روزمرہ کی دنیا میں توانائی دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ یہ مضمون جب میں رؤیا کے بعد اٹھا اور یہ سوچتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا تو اچانک میرا ذہن اس طرف گیا کہ جب روح کا سوال قرآن نے اٹھایا تو یہی جواب دیا ہے وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (بنی اسرائیل:86) روح کا تعلق امر سے ہے اور روح ہی ہے جو امر کی استطاعت رکھتی ہے کیونکہ خالق نے امر سے اس کو پیدا کیا اور امر کی کچھ طاقت اس کو بخشی ہے پس روح کا فیصلہ کم سے کم توانائی چاہتا ہے اور زیادہ سے زیادہ توانائی کو حرکت میں لے آتا ہے۔ ہماری ہر حرکت اس فیصلے کے تابع ہے اور صرف ہماری حرکات ہی نہیں بلکہ ہمارے گرد و پیش کی حرکات بھی بسا اوقات اتنا متاثر ہوتی ہیں کہ تبدیلیوں کا ایک سلسلہ جاری ہو جاتا ہے جو ایک وقت ہی نہیں بلکہ ایک زمانے پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس زمانے کے اثر پھر اگلے زمانوں پر اثر انداز ہو جاتے ہیں۔ اب جنگ عظیم اول ہو یا ثانی ہو یا کوئی اور ہو انہوں نے جو اثرات شروع کر دیئے وہ ایک Chain Reaction کے طور پر آگے جاری ہو گئے اور ارادے میں وہ طاقت نہیں تھی، بذات خود نہ وہ اس توانائی کو چاہتا تھا لیکن اس نے توانائی پیدا کر دی۔

اس پر دوسرا پہلو جو سوچ کے لائق تھا جس کی طرف میری توجہ مبذول ہوئی یا اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی۔ وہ یہ تھا کہ خدا تعالیٰ ارادے سے مادہ کیسے پیدا کر سکتا ہے، کیوں کرتا ہے؟ چونکہ انسانی ارادے کے رستے سے لوگوں نے خدا تعالیٰ کو سمجھنے کی کوشش کی اس لئے یہاں پہنچ کر سب فلسفی ٹھوکر کھا جاتے رہے۔ اگر سب نے نہیں کھائی جیسا کہ ارسطو نے نہیں کھائی تو بہت سے دوسروں نے کھالی اور ہندو فلسفہ اسی وجہ سے ایک غلط رستے پر چل پڑا اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے جو براہین احمدیہ میں ہندوؤں سے بحثیں کی ہیں، خصوصاً آریوں سے، وہ اسی مضمون پر ہیں کہ خدا ارادے سے مخلوق کو پیدا کر سکتا ہے کہ نہیں کیونکہ ارادہ غیر مادی ہے اور مخلوق مادی ہے۔ اس کا انسان کچھ نہ کچھ مظہر ضرور ہوتا ہے، اگر چہ سو فیصد نہیں اور چونکہ خدا کی مثال کوئی اور ہے ہی نہیں اس لئے مکمل مثال

پیش کی ہی نہیں جاسکتی۔ پس یہ دیکھنا ہوگا کہ ازل ہے کہ نہیں اور جو چیز ازلی ہے وہ بالارادہ تھی کہ نہیں۔ یہ ثابت ہو جائے کہ ازل کے بغیر ہمارا گزارہ ہی نہیں۔ ناممکن ہے کہ ازل کے بغیر بھی وجود ہو پھر یہ قدم اٹھتا ہے کہ ازل بالارادہ تھی یا بغیر ارادہ کے تھی۔ اگر ازل بغیر ارادہ کے ہو تو صرف مادہ رہ جاتا ہے جس میں سوچ نہیں کوئی ترتیب نہیں جو اپنی ذات میں بھی اندرونی تبدیلیوں اور معقول اندرونی تبدیلیوں کی طاقت نہیں رکھتی اور دوسری ذات میں منظّم تبدیلیوں کی اہلیت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو جب ہمیں واقعاتی دنیا میں ایسے مادے کی تبدیل ہوتی ہوئی حالتیں دکھائی دے رہی ہیں جو منظّم ہیں، مربوط ہیں، ایک معین رستے کی طرف چل رہی ہیں اور حیرت انگیز ان میں لطافتیں ہیں تو مادے کو بے سوچ کا ازلی مادہ قرار دیا ہی نہیں جاسکتا۔

پس قرآن کریم نے اس مضمون کو یوں اٹھایا ہے کہ کیا تم اپنے خالق ہو؟ کیا تم اس چیز کے خالق ہو؟ ہر وہ چیز بیان فرمائی جس کے لئے ایک خالق ہونا ضروری ہے۔ تو بظاہر دنیا میں جو تبدیلیاں ہمیں دکھائی دیتی ہیں وہ یہ بتاتی ہیں کہ اگر ازل ہے تو سوچ والی ازل ہے اور سوچ والی ازل میں تبدیلی نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر تبدیلی ہے تو ازل نہیں ہے۔ تو مادہ وہ چیز نہیں ہے جو سوچ والی ازل ہو۔ اس مضمون کو آپ میں سے بعض سمجھیں یا نہ سمجھیں غور کریں گے تو سمجھ آجائے گی بات کی۔

دو ہی امکانات ہیں۔ میں پھر سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ مائیکروفون میرے سامنے پڑا ہے یا یہ ہمیشہ سے ہے یا یہ پیدا ہوا ہے۔ اگر اس میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں تو ہمیشہ سے ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ آغاز سے بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا ہے اس کا کوئی آغاز ضرور تھا پھر۔ اور اگر اس میں شعور نہیں ہے اور اپنے آپ کو پیدا نہیں کرسکتا تو پھر وہ شعور جو ہر مادے کی اندرونی تبدیلیوں سے پہلے ہونا چاہئے اس کا اس میں فقدان ہے تو کسی پہلو سے بھی ازلی نہیں ہوسکتا۔ ازلی چیز صرف وہی ہوسکتی ہے جس میں سوچ ہو کیونکہ جو چیزیں دنیا میں دکھائی دیتی ہیں ان پر سوچ کی چھاپ ہے۔ ہر چیز پر سوچ کی چھاپ ہے اور جو تبدیل نہ ہو کیونکہ اگر وہ تبدیل ہوگا تو اس کا ایک کنارہ کہیں کسی نہ کسی وقت ہمارے ہاتھ آجائے گا اس سے آگے پھر وہ نہیں ہوگا اور اگر اس سے آگے نہیں ہوگا تو عدم سے کامل سوچ پیدا نہیں ہوسکتی۔ تو جس منطقی نکتے سے آپ چاہیں اس مضمون کی پیروی کریں آپ کو خدا کی ذات میں زمانہ دکھائی نہیں دے گا سوائے اس زمانے کے جو ذاتِ باری تعالیٰ میں تبدیلی نہیں چاہتا

بلکہ وہ دنیا کو تبدیل کرنے والا ارادہ ہے۔

اس سلسلے میں اس بات کو سمجھانے کے بعد اب میں واپس اس حصے کی طرف آتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فیصلے سے مادہ کیسے وجود میں آتا ہے۔ اصل میں پوری مثال تو نہیں مگر معمولی ادنیٰ مثالوں پر آپ غور کریں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ کچھ نہ کچھ چھاپ آپ کے اوپر بھی اس بات کی ہے۔ جب آپ خوابیں دیکھتے ہیں تو یہ آپ کی سوچ ہے جو بے شمار تصورات کو جنم دیتی ہے۔ لیکن سوچ چونکہ بہت ہی عاجز اور کمزور ہے وہ ان کو ظاہری وجود نہیں بخش سکتی لیکن جہاں تک آپ کے تعلق کا سوال ہے آپ ایک اور عالم میں چلے جاتے ہیں جو آپ کی سوچوں کا پیدا کیا ہوا ہے اور آپ کا اپنا وجود بھی اس عالم کا ایک جزو بن جاتا ہے گویا کہ ظاہری وجود رہا ہی نہیں۔ اگر سوچ میں طاقت ہو تو جو تصویریں ہیں وہ تصور میں نہیں رہیں گی بلکہ حقیقت میں تبدیل ہو سکتی ہیں اور یہ جو سوچ کا دوسرا حصہ ہے اس کا بھی معمولی سا مزہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرما دیا تا کہ وہ اپنے رب کے انکار کا اہل نہ رہے۔ اس کی تخلیقی اور ابتدائی پیدا کرنے کی طاقتوں کا انکار نہ کر سکے۔ فرعون کی مثال میں جہاں وہ جادو گر دکھائے ہیں، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کی سوچ میں ایک طاقت تھی اور ایسی طاقت تھی کہ رسیوں کو لوگوں نے سانپ بنتے ہوئے دیکھا، گواہ بن گئے کہ یہ سانپ بن گئی ہیں لیکن جس خالق نے یہ طاقت بخشی تھی اس کی طاقت غالب تھی اس لئے موسیٰؑ کی سوچ کی طاقت نہیں تھی بلکہ اللہ کی سوچ کی طاقت تھی جس نے ان رسیوں کو از سر نو رسیاں بنا دیا۔ جو سانپ تھے وہ رسیاں بن گئے کیونکہ جو سوٹے کا اژدھا نظر آ رہا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا يَأْفِكُوْنَ (الاعراف: 118) اس نے اس کو کھایا ہے جو جھوٹا بنایا ہوا تھا، انہوں نے رسیوں کو کھانے کا ذکر نہیں ملتا۔ تو جھوٹ ان کی سوچ نے بنا دیا تھا اس جھوٹ کو خدا کا غالب تصور جو ہے وہ ہڑپ کر گیا اور وہ موسیٰؑ کے سوٹے کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔

تو ایک مثال ہمیں نظر آتی ہے کہ انسان کی سوچ بغیر کسی مادی ذریعے کے دوسرے پر اثر انداز ہو۔ اس ضمن میں جو جدید سائنٹیفک تحقیقات ہیں ان سے بھی پتا چلتا ہے پیرا سائکالوجی کا مضمون اب باقاعدہ سائنس بن گیا ہے۔ بہت سی یونیورسٹیوں میں اس پر غور و فکر ہو رہا ہے اور تجارب سے یہ بات تو قطعاً ثابت ہو گئی ہے کہ انسان کی سوچ اس رنگ میں ایک اور انسان پر اثر انداز ہو سکتی ہے کہ کوئی بھی معلوم سائنسی ذریعہ بیچ میں واسطے کے طور پر موجود نہ ہو۔ کوئی ریڈیائی طاقت، کوئی برقی

رو، کسی قسم کی کوئی معلوم سائنٹیفک طاقت بیچ میں ذریعہ نہ بنے، واسطہ نہ بنے اور اس کے باوجود ایک انسان کی سوچ دوسرے انسان پر منتقل ہو کے اس میں تبدیلی پیدا کرے، اس پر غالب آجائے، اس میں حرکت پیدا کر دے۔ یہ جو مضمون ہے میں نے شاید پہلے بھی آپ کو ایک مثال کے طور پر بتایا تھا خود میں اس کا گواہ ہوں یعنی بعد میں تو کئی معنوں میں گواہ ہوں مگر میں آغاز میں بتا رہا ہوں۔

اسی انگلستان میں ایک دفعہ ایک پارٹی میں شامل ہونے کا مجھے موقع ملا جو اس وقت Intelectual کی اکٹھی، بڑی دلچسپ باتوں کے لئے ساری رات کھاتے پیتے تھے مختلف مسائل پہ گفتگو کرتے تھے، ایسی پارٹی تھی۔ اس میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ کیا انسان کی سوچ میں یہ طاقت ہے کہ بغیر کسی سائنٹیفک واسطے کے دوسرے پر اثر انداز ہو سکے۔ تو میں نے کہا کہ مجھے یقین ہے کیونکہ میں نے یہی قرآن کریم کی آیت پیش کی کہ ایسا ہے ورنہ قرآن ایسا نہ فرماتا۔ مگر ذاتی طور پر میں نے اس پر تجربہ نہیں کیا۔ تو انہوں نے کہا پھر تم پر کیوں نہ تجربہ کریں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے کر لو۔ تو اب دیکھیں میں کمرے سے باہر چلا گیا اور اتنی دور انہوں نے مجھے پہنچایا، ایک نگران کھڑا کر دیا کہ اگر اس کی نیت بد بھی ہو تو نہ آئے واپس اور اندر بیٹھ کے کچھ مشورے کئے۔ جب واپس کمرے میں مجھے بلایا گیا تو ایک بڑے دائرے میں کافی آدمی تھے وہ سارے بیٹھے ہوئے تھے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کے اور مجھے کہا کہ تم ہمیں پھلانگ کر اس کے مرکز میں آ کر بیٹھ جاؤ آرام سے۔ پس تم بیٹھ جاؤ اور کچھ نہیں کوئی حکم نہیں کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا۔ کچھ دیر تک بیٹھا رہا اس کے بعد پتا نہیں کیوں مجھے خیال آیا کہ میں اپنے بوٹ کے تسمے کھولوں۔ تو میں نے ایک بوٹ کے تسمے کھولے، دوسرے بوٹ کے تسمے کھولے اور اس وقت کسی نے شور مچایا اب باقی بھی کرو۔ تو ایک دم وہ جو رَو تھی وہ ٹوٹ گئی تو میں نے کہا باقی کیا مطلب۔ انہوں نے کہا ہم نے یہ سوچا تھا کہ تمہیں کہیں گے کہ بوٹ کے تسمے کھولو اور بوٹ اتار کے بغیر بوٹوں کے بیٹھو اور اتنا حصہ جتنے حصے تک ان کی آواز مخل نہیں ہوئی، میں نے کیا۔ تو یہ ایک سوچ دوسری سوچ میں بغیر معروف سائنسی ذرائع کے منتقل ہو کر اس پر اثر انداز ہوئی، اس میں حرکت پیدا کی۔

اور خوابوں میں بھی ہم نے ایک دنیا پیدا کی اور کرتے ہیں مگر وہ پاگل پن میں جبکہ انسان دنیا کے تعلق سے بالکل کٹ جاتا ہے اس میں اور بھی زیادہ شدت پیدا ہو جاتی ہے جس چیز کو وہ سوچتا ہے اس کو اتنا یقینی سمجھتا ہے کہ اس کی پیروی بھی کرتا ہے اگر چہ ظاہر میں اس کا وجود نہیں ہوتا۔ مگر خدا تعالیٰ

کو چونکہ اول طاقت ہے اور اس کی سوچ سب سوچوں پر غالب ہے اس لئے فرق یہ ہے اور اسی لئے میں نے آپ کو آیت لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ پڑھ کر سنائی۔ دنیا میں جو چیزیں ہیں کچھ نہ کچھ اس طرف اشارے ضرور کرتی ہیں مگر ویسی کوئی چیز نہیں ہے۔ ازل بھی کسی کو حاصل نہیں وہ اسی کو حاصل ہے ازل کے بغیر ہمارا چارہ ہی کوئی نہیں ہے ہم اس دنیا کو ازل پر غور کئے بغیر تسلیم ہی نہیں کر سکتے اور دنیا ہے ہم جانتے ہیں۔

تو آغاز کیسے ہوا اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ تمام توانائی میرے ارادے میں ہے اور ارادہ جب بنتا ہے تو از خود وہ توانائی کی شکلوں میں ڈھل جاتا ہے۔ اگر آپ یہ سمجھیں کہ یہ خواب ہے تو یہ ایسی خواب ہے جو ہر اس جز کو جو خواب نے پیدا کیا ایک دوسرے کا شریک بنا رہی ہے سوچوں میں اور اس کا ظاہر جو ہے وہ اتنا قوی دکھائی دے رہا ہے جیسے ہو۔ اسی خیال کی وجہ سے بہت سے فلسفی ہر چیز کو توہّم ہی بیان کرنے لگ گئے۔ تو فلسفی نے جو ٹھوکریں کھائی ہیں وہ قرآن کریم سے استفادہ نہ کرنے کی وجہ سے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اگر قرآن کریم میں جو صفات کا بیان ہے اس پر غور کرتے تو پھر خدا تعالیٰ کی ہستی کو سمجھنے میں اور اسماء پر غور کرنے میں ان کے لئے کسی ٹھوکر کا سامنا نہ ہوتا، وہ صحیح طریق پر جہاں تک خدا چاہتا ان بصائر سے فائدہ اٹھا سکتے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ کہ دیکھو خدا کی طرف سے بصائر آچکے ہیں۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ اس کو تم سمجھنا چاہتے ہو مگر اتنے عاجز ہو کہ ناممکن ہے کہ تم اپنی سوچوں کے ذریعے خدا تک پہنچ سکو لیکن تعلق ضرور قائم ہوگا وہ اس طرح قائم ہوگا کہ خدا تم تک پہنچے گا اور خدا تم تک پہنچ چکا ہے۔ اس حد تک پہنچ چکا ہے جس حد تک تمہارے لیے سمجھنا ضروری تھا اور جس حد تک تمہاری حد استطاعت اجازت دیتی ہے۔ پس اس پر غور کرو گے تو تمہارا فائدہ ہے۔

پس وہ غور خدا پر منع نہیں ہے جو غور قرآن کریم کے بیان کے مطابق ہو اور آنحضرت ﷺ کے فہم قرآن کے مطابق ہو اور اس دور میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو آدم ثانی بنایا گیا ہے آپؑ کو بھی اسماء کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔ اس علم کی وساطت سے اسماء کو سمجھنا، اس پر غور کرنا نہ

صرف منع نہیں ہے بلکہ حکم ہے کہ ضرور کرو۔ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ جو غور کرے گا اسے ضرور فائدہ پہنچے گا۔ پس اسماءِ باری تعالیٰ یعنی صفاتِ الٰہی پر غور کر کے اس سے فائدہ اٹھانا، یہ ایک لازوال مضمون ہے جو ہمیشہ جاری رہے گا۔ مگر ضروری ہے کہ قرآن کے مطابق جہاں جہاں خدا خود ہمارے سامنے بصائر لے کر آیا ہے ان حدود میں رہ کر اس پر غور کریں۔

تو اب چونکہ وقت ہو چکا ہے اس لیے انشاء اللہ باقی حصہ جو ہے اس میں اور بھی بہت سے پہلو ہیں، میں کوشش یہی کروں گا کہ اگلے خطبے تک یا زیادہ سے زیادہ اس سے اگلے خطبے تک اس مضمون کو ختم کروں اس لئے نہیں کہ مضمون ختم ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ پھر ان عمومی دائروں کو بیان کر دوں گا جن کی حدود میں رہتے ہوئے آپ کو غور کرنا چاہئے اور جو تعلق اپنے غور سے ہوتا ہے وہ بیان کردہ غور سے نہیں ہوتا۔ اس لئے تعلق باللہ کے لئے ضروری ہے کہ آپ کو اسماءِ الٰہی پر غور کی دعوت دوں اور ان خطرات کی نشاندہی کروں جو آپ کے نقصان کا موجب بن سکتے ہیں اگر آپ اپنی چالاکیوں سے خدا کو پانے کی کوشش کریں یا اپنی سوچوں کو قرآن اور حدیث پر حاوی کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو سخت ٹھوکر کھائیں گے اور ہمیشہ کے لئے ہلاکت بھی اس کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ مگر سوچ ضروری ہے اور اس سوچ کے نتیجے میں آپ جوں جوں خدا تعالیٰ کی ہستی کے قریب آئیں گے آپ کے اندر نئی تخلیق ہوگی۔ یہ وہ مضمون ہے جو شان کا مضمون ہے جو میں آپ کے اوپر کھولنا چاہتا تھا۔ کچھ پہلو میں نے بیان کر دیئے ہیں۔ کچھ آئندہ بیان کروں گا۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ بتا رہا ہے کہ ذات باری سے تعلق رکھو گے تو تمہاری بھی شانیں بدلیں گی جب اس کی ایک شان نئی جلوہ گر ہوگی تو غور کرنے والے پر بھی اس کا اثر پڑے گا اور اس کے اندر بھی ایک نئی روشنی پیدا ہوگی تو لامتناہی روحانی ترقی کے لئے اسماءِ باری تعالیٰ پر غور ضروری ہے مگر ان احتیاطوں کے ساتھ جو قرآن نے اور آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ مگر زمانے کا میں نے آپ کو سمجھا دیا ہے کہ زمانہ پایا بھی جاتا ہے مگر ان معنوں میں جو خدا کی ذات کے منافی نہیں ہیں اور ذات میں اس کی کوئی تبدیلی نہیں ہے اور ہمیشہ کے لئے ویسا ہی ہے۔